سید ابتہاج حیدر زیدی*

ناول ”پردیسی درخت“ بشکل مسافر دشتِ حیراں

THE REFLECTION OF A DESERT TRAVELER IN THE NOVEL PARDESI DARAKHT

Abstract: *“Pardesi Darkhat” is the novel of Naseem Hijazi represents culture of the time, civilization, politics, society, economics & weather. Our past present’s nature is narrated but human’s psychological aspects are also desired. What are the griefs’s of migration? Upsadness and depression effects life, how? Reason is pecked in “Pardesi Darkhat” as a social issue. This novel also shows bitter facts of Cruel Nature”.*

Keywords: *Political, Past, Present, Suspense, Internal feelings, Migration,Naseem, Hijazi.*

تلخیص: نسیم حجازی کا یہ ناول "پردیسی درخت" زمانہ کی تہذیب، تمدن، سیاست، معاشرت یہاں تک کہ معیشت اور موسم کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ ہمارا ماضی اور حال جس کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے، نہ صرف اُسے بیان کرتا ہے، بلکہ انسانوں کی نفسیاتی پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھتا ہے۔ ہجرت کا دُکھ کسے کہتے ہیں؟ اور مایوسی اور پریشانی ایک انسانی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، اُن سب کی وجوہات کو ناول "پردیسی درخت" میں ایک معاشرتی رنگ میں سمویا ہے۔ یوں یہ ناول فطرت کی بے رحمی کو تلخ حقیقتوں کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: سیاست، ماضی، حال، تجسس، داخلی جذبات، ہجرت، نسیم، حجازی۔

ناول ”پردیسی درخت“ تین حصوں پر مشتمل ایک ایسا ناول ہے، جو اپنے اندر ایک منفرد خصوصیت رکھتا ہے۔ اِس کی ابتداء سکھر شہر سے ہوتی ہے، نسیم حجازی نے اِس ناول میں سیاست، تہذیب، تمدن، معاشرت اوراِس کے ساتھ ساتھ معیشت کو بھی سامنے رکھا۔ ماضی اور حال جن کیفیات سے دوچار تھا، اُسے بیان کرتے ہوئے آپ نے مشاہدے اور غور و فکر کے ساتھ دائرہ عمل کی ضرورت کو محسوس کیا، جو حال کو زندگی سے جوڑتی ہے، اُن وجوہات کو عقلی تناظر میں دکھایا ہے۔

> ”فطرتِ انسانی اِس طرح سے بنی ہوئی ہے کہ وہ تبدیلیوں کی مزاحمت کرتی ہے، ہم جس خطرے سے دوچار ہیں، اگر ہم نے اپنے طور طریقوں کو نہ بدلا تو، تو فطرت دوسرے طریقوں کو اِن تبدیلیوں کے ساتھ بدل دے گی، اور اسی طرح باقی رہے گی۔“(۱)

---

* طالبِ علیم، شعبہ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور۔

کسی بھی معاشرے میں جب کوئی واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو پہلے کچھ وجوہات سامنے آتی ہیں۔ وہ افراد جو شعور نہیں رکھتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ تبدیلی کی جانب گامزن ہے، لیکن وہ افراد جو شعور کی رو کو پہنچانتے ہیں وہ یہ بات جانتے پہں کہ معاشرتی و سماجی اقدار تغیر کی جانب گامزن ہے۔ یہ عمل جب بڑھتے وسیع و عریض ہو جاتا ہے تو پوری قوم اِس سے متاثر ہوتی ہے، تغیر زمانہ کے باعث برصغیر کی تقسیم ہونے والی تھی، لاکھوں انسان معاشی، نفسیاتی اور معاشرتی عناصر سے اثر انداز ہو رہے تھے، تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت واقع ہو رہی تھی۔ وہ خواب جو لاکھوں مسلمانوں نے تقسیم سے قبل دیکھے تھے، اُن کا وجود ایسے گم ہو گیا جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں، مایوسی، پریشانی کے وہ مسائل سامنے آئے، جن کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ نسیم حجازی نے اُن سب کو محسوس کیا، ایک ایسے سفر کی داستان جو سکھر سے شروع ہوئی اور کوئٹہ تک جا پہنچی۔ تیسرے باب تک آتے آتے اُن مشاہدات اور عوامل کی جانب آجاتا ہے جب تقسیمِ ہند سے پہلے پورے ہندوستان پر اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ نسیم حجازی نے تاریخی واقعات کو اپنے کرداروں کے ذریعے داخلی و خارجی کیفیات کے علاوہ انسانی فطرت جس طرح آنے والے واقعات کا اندازہ لگا لیتی ہے۔ اُس ذہنی شعور کو سامنے لائے۔ دو مذاہب جو تمدنی طور پر جدا تھے، اُن میں جس کشکش نے جنم لیا، اُسے اپنے ناول "پردیسی درخت" میں عزم وہمت کی علامت کے طور پر استعمال کیا۔ شعور کی تشکیل کن حالات میں وقوع پذیر ہوتی ہے، نسیم حجازی نے اُن حالات و واقعات کا ذکر کیا۔ نسیم حجازی نے اِس بات پر زور دیا کہ اگر ہم دنیا کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ذہانت، خلوص، ہمدردی اور وسیع النظری کی ضرورت ہے۔ مذہبی فکر اور زندگی کے تجربے انسان کو ایک ایسے شعور تک پہنچا دیتے ہیں، جہاں سب کچھ آپ کا اپنا ہوتا ہے۔ نسیم حجازی نے کرداروں کی بدولت زندگی کو بڑی ہی باریک بینی سے دیکھا، انسانی جبلت کیا ہوتی ہے، نفسیات کس طرح فرد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک انسان کیونکر روحانیت کی جانب مائل ہوتا ہے۔ اِس ناول میں "یوسف" کا کردار اِن تمام عوامل کو سمیٹے ہوئے ہے۔ انسانی زندگی کس طرح اپنے اندر رنگوں کو سمیٹے ہوئے ہے، وہ انسان جو تقسیمِ ہند سے پہلے ایک تھے، جب اُن کے ذہنی و فکری خیالات میں تبدیلی آئی تو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد نے جس طرح اِس کا اظہار کیا۔ نسیم حجازی نے اِس بات کا اشارہ آٹھویں باب تک آتے آتے کیا۔ تبدیل ہوتے ہوئے حالات نے مذاہب کے درمیان کی کشمکش کو انتہا پسندی کی جانب موڑ دیا۔

> ”بادشاہ اورنگزیب کے دور میں اکثر مسلمان ہندوستان میں خوش نہیں تھے، وہ یہاں خود کو غیر محسوس تصور کرنے لگے تھے، انھیں اِس بات کا ڈر تھا کہ کہیں وہ اپنا تشخص نہ کھو دیں۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ اُن کا یہ خوف اور اضطراب ۱۹۴۷ء میں حکومتِ برطانیہ کی جانب سے تقسیم برصغیر کی وجہ سے اور زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ ہندو اور مسلم فرقہ وارانہ فسادات نے ہزاروں افراد کو اِس نہج پر پہنچا دیا کہ وہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔“(۲)

وہ باشعور اور تعلیم یافتہ طبقہ اِن سب مسائل کو ایک خاص زاویہ سے دیکھ رہا تھا، وہی پر وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اِس موقع پر جذبات واحساسات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آٹھویں باب تک آتے آتے نسیم حجازی نے اُن حالات کی ایک تصویر پیش کی ہے، جو تقسیمِ ہند کے وقت پیش آنے والے تھے۔

> ”بعض اقوام بد نصیبی کی اُس تہہ تک جا پہنچتی ہیں۔ کہ جب وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوتیں ہیں تو، اُس وقت تک دشمن نے انہیں مکمل طور پر آہنی زنجیروں سے جکڑ لیا ہوتا ہے، اُس وقت اگر وہ چیختا بھی چاہیں تو اُن کی آواز حلق سے نکل نہیں پاتی۔“(۳)

اس ناول کا دوسرا حصہ جذبات واحساسات کی کہانی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یوسف جو اِس ناول کا ایک اہم کردار ہے، جس طرح اپنے مہمانوں سے جدا ہوتا ہے، وہ ہمیشہ کے لیے مہمانوں کے دلوں میں رچ بس جاتا ہے۔ اِس ناول میں نسیم حجازی نے ایک ایسی فضا کی تشکیل دی ہے، جہاں پر زندگی کی حقیقتیں اپنی مخصوص طرزِ فکر کے ساتھ موجود ہوتی ہیں، انسان نے جب سے سماج کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے، تب سے وہ صرف ایک طرح سے نفساتی دباؤ میں آگیا ہے۔ بلکہ اندرونی وبیرونی رجحانات کو بھی آہستہ آہستہ زندگی کا حصہ سمجھنے لگا ہے۔ وہ افراد جو تقسیم سے قبل ایک محبت کی ڈوری میں جُڑے ہوئے تھے۔ تقسیم کی لکیر نے اس محبت کی ڈوری کو کچھ اِس انداز سے تقسیم کر دیا کہ معاشرتی جبر مکمل طور پر مظلوموں کی سسکیوں اور آہوں سے کھیلنے لگا۔ "مہکتی خاک اور ٹھنڈی لہریں" اِس ناول کا دوسرا حصہ ہے۔ کسی بھی فرد میں پنہاں تنہائی اور فطرت کی بے رحمی اُس انسان کی باطنی خواہشات کو ایک تلخ حقیقتوں میں بدل دیتی ہے۔ انسان اپنی مادی رجحانات کو بہت وسعت دینا چاہتا ہے، اس عمل پر اُسے بے شمار مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ نسیم حجازی نے پندرھویں باب تک آتے آتے دو چیزوں کا اظہار کیا، ایک تو ناول کے عنوان سے واقعہ کی ترتیب شروع کی، دوسرا ایک ایسی قوم پرستی جس نے اِس جدید دور میں بھی ہمارے ماحول کو چاروں جانب سے جکڑا ہوا ہے، آپ نے جذبات اور تصورات کا سہارا لے کر جس طرح اِن وجوہات کو بیان کیا ہے، اِس سے نسیم حجازی کی گہری بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

> ”ان پردیسی درختوں کے بارے میں گاؤں کے بچوں نے یہ کہانی سُنی تھی کہ رات کے آخری پہر میں ایک عورت جب چکی سے آٹا پیس رہی تھی تو اُس نے اچانک دیکھا صبح کی دُھند میں بڑے بڑے درخت شمال مشرق کی جانب سے جنوب کی سمت بھاگ رہے ہیں۔ وہ تیزی سے باہر نکلی اور دہائی دینے لگی۔ لوگوں دیکھو، درخت بھاگ رہے ہیں، بڑے بڑے درخت بھاگ رہے ہیں۔ اِن کو کسی طرح روکو، نہیں تو اِن کے ساتھ یہ چھوٹے درخت بھی چلے جائیں گے۔ جب اِن درختوں نے عورت کی چیخ وپکار سُنی تو جو جس جگہ پر تھا وہ وہیں رُک گیا۔ جب لوگوں نے صبح کی روشنی

> میں دیکھا کہ گاؤں کے چاروں اطراف ایک نئی قسم کے درخت ہیں تو اُن سب نے چکی پیسنے والی عورت کا یقین کیا۔ چونکہ وہ درخت پردیس سے آئے تھے، اس لیے اُن درختوں کو پردیسی درخت کہا جانے لگا۔"(۴)

اِس ناول "پردیسی درخت" میں نسیم حجازی نے جہاں ایک جانب ماضی کے تصور کا عکس دِکھایا ہے، وہیں پر انسانی زندگی کو ایک ایسا حسین ورثہ قرار دیا جو نہ صرف حال کی تلخیوں کو کم کرنے اور کچھ تصورات و تخیلات کو ایک وسیع جہاں عطا کرنا کہ انسان اُسے اپنا مقدر سمجھنے لگے۔

> "فطرت کا اٹل قانون مکافاتِ عمل ہے، جو ہر زمانے میں حتمی اور سچا ثابت ہوا ہے۔ ایک فرد کی زندگی سے لے کے قوموں کی حیات میں یہ قانون کار فرما نظر آتا ہے۔ اقوامِ عالم کے عروج اور تنزل کی عبرت انگیز تاریخ، بڑی بڑی مملکتوں اور حکومتوں کے قیام اور ان کی شکست و ریخت کے افسانے، دنیا کے قدیم مذاہب اور نظریاتی تحریکوں کی کامیابی اور پھر ان کی ترقی معکوس کی داستانیں اس قانونِ الٰہی کی اثر انگیزی پر گواہ ہیں۔"(۵)

انسان اس دنیا میں اکثر اوقات عدم تحفظ کا شکار رہا ہے۔ کبھی فرسودہ رسم و رواج کے خلاف بغاوت پر اُتر آتا ہے۔ اُس کی انفرادی خواہشات اُسے مسلسل ایک ایسی حرکت کی طرف مائل رکھتی ہیں، جہاں اُسے اپنے خواب کی تعبیر نظر آتی ہے۔ اُس کا یہ جذبہ اگرچہ کہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ماحول کی مناسبت سے سمجھنا جو ذہنی انتشار کا باعث بن جائیں۔ یہ سب ایک ایسا اشتراک ہے۔ جو تقسیمِ ہند سے پہلے دو مذاہب کے درمیان رہنے والوں کے لیے ایک جُدا رنگ رکھتی ہے، نسیم حجازی نے اس کا اظہار یوسف کے کردار کے ذریعے کچھ اِس انداز سے پیش کیا ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ سماجی رُخ تاریخی ناولوں میں ہمیں کم ہی نظر آتا ہے۔

> "مجھے دادا جان کی باتوں سے ڈھارس بہت ہوتی تھی۔ دادا، امی اور چچیاں میرا دل بھلانے کی ہر وقت کوشش کرتی رہتی تھیں۔ مجھے دادا جان کی نصیحتیں سُن کر، کبھی گھر میں نہیں رویا، ہمیشہ پنی سسکیاں اور آنسو ضبط کیے رکھے، لیکن میں جب بھی گاؤں سے باہر جاتا، تو چچا شیر علی اور پر دادا جان کو یاد کر کے بہت روتا تھا۔"(۶)

نسیم حجازی نے اپنے ناول "پردیسی درخت" میں اِس نکتہ کو بیان کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ایک وقت ایسا بھی آنا تھا کہ، جب انہیں زندگی اور موت جیسے حالات سے گزرنا تھا، اِس معاشرے میں ہندو برہمن کی فطرت پوری طرح نمایاں ہو چکی تھی، جو آہستہ آہستہ ایک عفریت کا رُوپ دھار رہی تھی، اور وقت نے یہ ثابت کرنا تھا کہ اِس عفریت نے آنے والے وقت میں مسلمانوں کا خون چوس لینا تھا۔ وہ قوم جو صدیوں سے غلام تھی، اب آقا بننے کے لیے وہ ہر حد تک جانے کے لیے تیار تھی۔ ناول "پردیسی درخت" کا تیسرا باب

"راستے اور فاصلے" اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ محبتیں جو صدیوں سے برقرار تھیں، آنے والے وقتوں میں اُن میں فاصلہ آنے لگا تھا، نا محسوس طریقے سے راستے الگ ہونا شروع ہو گئے تھے، بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے نسیم حجازی خود یوسف کے کردار میں موجود ہوں اور اپنا ذہن، اپنی سوچ اور مقاصد جس طرح یوسف نے بیان کیے ہیں، وہ سب وہی ہیں، جو نسیم حجازی نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ذاتی زندگی مختلف خدوخال پر مشتمل ہوتی ہے، اور ذاتی خیالات پر بعض اوقات دوسرے افراد کے اجتمائی جذبے متاثر کرتے ہیں۔

> ”انسان کی فکرِ رسا اپنے اطراف میں پھیلی ہوئی اس بے کراں کائنات کے پسِ پشت مخفی حقیقت کا کھوج لگانے کے لیے ہمہ وقت مضطرب نظر آتی ہے۔ یہ اس کا محبوب مشغلہ ہے کہ وہ مبدائے کائنات اور اس اصول محرکہ کا پتہ لگائے جو اِس عالم ظاہر کی روحِ رواں ہے اور اس کارخانۂ حیات میں غایت و مقاصد کے امکان پر غور کرے کیوں کہ انہیں سوالات کے جوابات ڈھونڈ نکالنے ہیں۔۔۔ دراصل انسان کی اپنی ماہیت کا اسرار بھی پوشیدہ ہے، اور تحقیقِ ذات کا عمل انسانی فطرت کا اساسی اقتضاء ہے جسے پورا ہونا ہی چاہئے۔“(۷)

انسان کا بچپن چاہے کتنا ہی پُرسکون ہو، حالات و وقت کبھی بھی ایک جیسے نہیں رہتے، نظریاتی طور پر انسانی جذبے انسان کی سوچ پر اثر انداز ہوتے ہیں، تخلیق کا عمل کسی نہ کسی زاویے فکر سے متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شعور جذبے کو گہرائی عطا کرتا ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جو انسانی زندگی کی تمام فکرات و نظریات کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ نسیم حجازی نے یوسف کی زندگی میں اُس پیاری ماں کو اچانک موت کے حوالے کر دیا۔ پڑھنے والا اِس مرحلے میں یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ موت کیا واقعی ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان سے منسلک ہوتے ہوئے اُس کے تمام جذبوں، رویوں اور اُلجھنوں کے کرب میں منسلک ہو جاتی ہے ایک درد جس کا کوئی نام نہیں ہے، امید اور نا اُمید کے درمیان انسان اپنی ساری زندگی گزار دیتا ہے، ایک ایسا طرزِ احساس جو موت کو یاد دلائے، فرد کو صبر اور حوصلے کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ خود کو سمجھنا یا پھر اپنے احساس کو اُس ذہنی سطح تک لے جانا جہاں پر وہ خود کو مکمل طرح سے پُرسکون محسوس کر سکے۔ ایک ایسی حالت جب کسی انسان سے اُس کی عزیز ترین چیز چھین لی گئی ہو۔ اِس طرح کی ذہنی کیفیت میں مبتلا فرد جذبات و احساسات کی وجہ سے خود کو مکمل طور پر انتشار میں مبتلا پاتا ہے۔ جب فرد کی شخصیت بکھر جاتی ہے۔ انسان ماضی میں خود کو تلاش کرنے لگاتا ہے۔ جب وہ کبھی سکون کی حالت میں ہوتا تھا۔ نسیم حجازی نے اِس کیفیت کو اپنے ناول میں کردار یوسف کی مدد سے پورا کیا۔

> ”یوسف نے آسمان کی جانب دیکھا، ستارے چمک رہے تھے، کہکشاں ان گنت جھرمٹ میں نظر آ رہی تھی۔۔۔ اُس نے سوچا نہ جانے کتنے بچوں نے اچھل کر چاند اور تارے کو پکڑنے کی کوشش کی ہو گی۔ موت زندگی کی ایک اٹل حقیقت ہے، جسے ہم شاید آخری وقت تک جھٹلائے رہتے ہیں۔۔۔ مالک قیامت کے دن جب امی جان مجھے دیکھیں تو

> سکون کریں۔ دل میں وہ یہ دُعا کرتے ہوئے سو گیا۔ خواب میں اُس نے دیکھا کہ وہ اپنی ماں کی اُنگلی پکڑ کر کھیتوں میں گھوم رہا تھا۔“(۸)

نسیم حجازی نے ناول "پردیسی درخت" میں ایک طرف جہاں انسانی جدوجہد کی کہانی کو بیان کیا ہے، وہیں پر ایسا انسان جب داخلی طور پر انتشار کا شکار ہوتا ہے۔ بعض اوقات اپنی زندگی کی جدوجہد کو مزید تیز کر دیتا ہے یوں ایک ایسی فضا تشکیل پاتی ہے، جہاں، برداشت، صبر اور بھروسے کے ساتھ ساتھ کام کی لگن اور زندگی سے سچائی نمایاں ہوتی ہے۔ یوسف چوں کہ اپنے اندر حساس اور دردمند دل رکھتا تھا۔ اِس لیے وہ محبت اور خلوص کے ساتھ اُن نئی راہوں پر چلنے کو تیار تھا، جس کی منزل قیام پاکستان تھی۔

> ”یوسف نے اطمینان سے جواب دیا،
>
> پاکستان آج نہیں بلکہ تیرہ صدیوں سے قائم ہو رہا ہے، کوئی بھی قوم مستقبل کو حال سے اور حال کو ماضی سے الگ نہیں کر سکتی۔
>
> فہمیدہ،
>
> اب تو مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے ہماری زندگی کا ہر راستہ صرف اور صرف پاکستان ہے، اور اب یہ ایک خواب نہیں رہا۔“(۹)

ناول "پردیسی درخت" میں نسیم حجازی نے منظر نگاری کو بہت خوبی سے بیان کیا، آپ نے جب بھی کسی واقعہ کی منظر نگاری کو بیان کرنا چاہا تو اُسے حقیقت کے اِس قدر نزدیک لے آئے کہ پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ خود موجود ہے، زندگی اپنی پوری شدت کے ساتھ احساس و جذبات لیے محسوس ہوتی، ایک ایسی زندگی کی کہانی جو کسی بھی معاشرے کی نشو و نما کے لیے ضروری ہے۔ کردار اور منظر نگاری کی ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے۔

> ”چچا جان نے اپنی آنکھیں کھولیں، ذرا دیر کے لیے ہاتھ بلند کیا، پھر وہ آنکھیں جن میں کبھی زندگی دوڑا کرتی تھی، جنھوں نے توانائی اور شفقتیں دیکھی تھیں، کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آہستہ آہستہ ہاتھ نیچے آگیا، بچے اور بوڑھے سب کلمہ پڑھ رہے تھے۔“(۱۰)

نسیم حجازی نے جس تناظر میں یہ ناول لکھا، اُس وقت معاشرتی تہذیب مکمل طور پر قائم تھیں، وہ معاشرتی اقدار جس پر ہم فخر کرتے ہیں، لیکن جو ایک ایسی منظر کی عکاسی بھی کرتا ہے، جہاں وہ واقعات بھی رونما ہوئے، جب مکمل طور سے معاشرتی اقدار پسِ پشت چلے گئے تھے۔

حوالہ جات:

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۲۳ء، ص ۴۳۶۔

۲۔ کیرن آرم اسٹرانگ، مسلمانوں کا سیاسی، عروج وزوال، نگار شاعت، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۱۷۷

۳۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، جہانگیر بُکس، کراچی، س ن، ص ۱۰۲۔

۴۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، جہانگیر بُکس، کراچی، س ن، ص ۲۳۶، ۲۳۷۔

۵۔ مولانا محمد اسماعیل ریحان، شیر خوارزم سلطان جلال الدین، خوارزم شاہ تاتاری یلغار، المنھل، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص ۲۳۔

۶۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، جہانگیر بُکس، کراچی، س ن، ص ۲۶۳، ۲۶۴۔

۷۔ قاضی قیصر الاسلام، فلسفے کے بنیادی مسائل، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، آگست ۲۰۱۵ء، ص ۵۲۴۔

۸۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، جہانگیر بُکس، کراچی، س ن، ص ۴۶۶۔

۹۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، جہانگیر بُکس، کراچی، س ن، ص ۵۲۲، ۵۲۳۔

۱۰۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، جہانگیر بُکس، کراچی، س ن، ص ۲۶۲۔

کتابیات:

۱۔ **آرم اسٹرانگ، کیرن۔** *مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال*، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۹ء۔

۲۔ **جمیل جالبی، ڈاکٹر۔** *ارسطو سے ایلیٹ تک*، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۲۳ء۔

۳۔ **ریحان، مولانا محمد اسماعیل۔** *شیر خوارزم سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تاتاری یلغار*، المنہل، کراچی، ۲۰۱۲ء۔

۴۔ **قاضی قیصر الاسلام۔** *فلسفے کے بنیادی مسائل*، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، اگست ۲۰۱۵ء۔

۵۔ **نسیم حجازی۔** *پردیسی درخت*، جہانگیر بُکس، کراچی، س۔ن۔

☆☆☆☆☆